ڈاکٹر معین الدین عقیل

تحقیق میں سرقے کی عالمی مثالیں

Plagiarism is a global issue. Examples of plagiarism can be found in literature of all the languages. This article critically discusses some examples of plagiarism from world literature.

مرزا فرحت اللہ بیگ اردو کے ان معدودے چند ادیبوں میں گزرے ہیں جو ایک متنوع اور ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے۔ وہ بیک وقت ایک مثالی انشاء پرداز، عمدہ مزاح نگار اور ایک بلند پایہ محقق کی حیثیت میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ پھر وہ ایک شاعر اور سوانح نگار بھی تھے اور ساتھ ہی ایک سفرنامہ نگار بھی۔ مگر کمال یہ ہے کہ ان کا سفرنامہ ''جزیرہ بورنیو''، جو ان کے مضامین کے ایک مجموعے میں شامل ہے، اسے پڑھتے ہوئے کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ فرضی اور افسانوی ہے۔ سارے سفرنامہ کو انھوں نے اس قدر کمالِ مہارت اور چابک دستی سے تحریر کیا ہے اور مقاماتِ سفر اور راستوں کی تفصیلات، جزئیات اور حالات و واقعاتِ سفر اس قدر عمدگی سے بیان کیے ہیں کہ کہیں یہ گمان نہیں گزرتا کہ یہ سب واقعی اور حقیقی نہیں۔ (۱) خود راقم نے ان کے اس سفرنامے میں مذکور متعدد مقامات کو بچشم خود دیکھا ہے لیکن جب بعد میں اس سفرنامے کو پڑھنے کا موقع ملا تو اس وقت تک جب تک خود مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ بیان، جو مذکورہ مجموعۂ مضامین میں بطور اختتامیہ شامل ہے، نظر سے نہ گزرا، سفرنامۂ پڑھتے ہوئے یہ خیال بھی نہ گزرا کہ یہ سب کچھ افسانوی اور فرضی ہے۔ خود مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنے زمانے میں متعدد اردو سفرناموں کی اشاعت کو دیکھ کر اس چیلنج کے ساتھ اپنا یہ سفرنامہ تحریر کیا تھا کہ وہ گھر بیٹھے بھی ان جیسے سفرنامے لکھ سکتے ہیں۔ غالباً آج ہمارے عہد کے متعدد سفرنامہ نگاروں نے بھی، یوں لکھا ہے، مرزا صاحب کی اس روایت کو اپنے طور پر متعدد سفرناموں کی صورت میں زندہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے لیکن یہ حقیقت کے بجائے افسانے لگتے ہیں مگر مرزا صاحب کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے افسانہ کو حقیقت کے طور پر پیش کرنے میں پوری پوری کامیابی حاصل کی۔

یہ تو ایک اردو سفرنامے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے لیکن عالمی سطح پر عہدِ قبلِ مسیح کے ایک عظیم مورخ ہیرو دوتوس (Herodotos) کی تحریر کردہ معروف چشم دید تاریخ کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ جن جن مقامات کی اس نے تاریخ لکھی ہے اس نے وہ تمام مقامات نہیں دیکھے تھے۔ چناں چہ اس نے تاریخ میں افسانوی حکایات کو بھی شامل کر دیا تھا مگر وہی حکایات آج تاریخ عالم کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔ اس کی تحریر کردہ یہ ''چشم دید تاریخ'' عہد ماقبل تاریخ کی بات تھی۔ تعجب خیز امر تو اب یہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے اہم ترین سفرناموں میں سے مارکو پولو اور ابن بطوطہ کے سفرناموں کو بھی اب محققین شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور حال میں ہونے والی عمدہ تحقیقات کے نتیجے میں اب یہ انکشاف ہوئے ہیں کہ مارکو پولو اور ابن بطوطہ کے سفرنامے مکمل یا کم از کم جزوی طور پر محض افسانے ہیں اور یہ کہ یہ دونوں چین تو گئے ہی نہیں اور ان کے سفرناموں کے وہ حصے جو چین سے متعلق ہیں حقیقی نہیں بلکہ فرضی ہیں۔

تاریخ اس لحاظ سے بے رحم ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ کو سچ نہیں رہنے دیتی اور بالآخر سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کر دکھاتی ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ جھوٹ چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ ایک باریک بین محقق تاریخ کے پردوں سے سچ ضرور نکال لاتا ہے۔ چناں چہ جدید تحقیقات ایسے ہی باریک بین اور بے رحم محققوں کے باعث آئے دن ایسے ایسے حقائق سامنے لا رہی

ہیں جو تاریخی لحاظ سے اگر ایک جانب انقلابی ہیں تو دوسری جانب محیر العقول بھی۔ امریکہ کی دریافت عالمی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کی دریافت کا سہرا اگرچہ کولمبس کے سر ہے لیکن کولمبس کو اس کی تحریک اور تشویق مارکو پولو کی کتاب DISCRIPTION OF THE WORLD[۲] کو پڑھ کر ہوئی تھی جو مارکو پولو کے مشاہدات سفر پر مشتمل تھی۔ مارکو پولو کا یہ سفر مغربی ایشیا اور شمال مشرقی چین کے وسیع و عریض علاقوں اور چھبیس سالوں (۱۲۷۱ء تا ۱۲۹۷ء) کے عرصے پر پھیلا ہوا تھا۔

مارکو پولو کی یہ تصنیف جو اس نے زمانۂ اسیری میں ۱۳۲۴ء سے قبل تحریر کی تھی، اس لحاظ سے تاریخ ساز ثابت ہوئی تھی کہ اس نے قرونِ وسطیٰ کے یورپ کو مشرق اور مشرق بعید سے متعارف کرانے اور یورپی اقوام کو مشرقی ممالک سے تجارت کے لیے ایک بڑے پیمانے پر اکسانے میں نسبتاً زیادہ موثر کردار ادا کیا تھا، لیکن محقق کے سفاک قلم نے اب یہ ثابت کر دیا ہے کہ چین کے پر ہیبت شہنشاہوں کے پرشکوہ درباروں کی عظمت و شوکت کی چشم دید داستانیں سنانے والا اور یورپ کو آئس کریم اور سویوں (SPAGHETI اور NOODLES) سے متعارف کرانے والا یہ سیاح دراصل خود کبھی چین نہیں گیا۔ اس کا یہ سفر نامہ ''چشم دید'' واقعات اور مشاہدات کے بجائے ایک رومانی حکایت سے زیادہ کچھ نہیں، جسے اس نے اپنے وقت کے کسی عمدہ رومان پرست مصنف کی مدد سے یا ایسے ہی کسی مورخ کی تصنیف سے اخذ کر کے تخلیق کیا ہے۔ کچھ محققین مثلاً ہربرٹ فرانکے HERBERT FRANKE اور ہنری یو لے (HENRY YULE) وغیرہ نے اور حالیہ چند برسوں میں بالخصوص فرانسس ووڈ (FRANCES WOOD) نے اس موضوع پر جو داد تحقیق دی ہے، اس نے قریب قریب یہ ثابت کر دیا ہے کہ مارکو پولو بحیرہ اسود اور قسطنطنیہ سے آگے شاید گیا ہی نہیں اور چین تو بالکل ہی نہیں گیا۔

موخر الذکر محقق خاتون چین کی تاریخ و تہذیب پر اختصاص اور استناد کا درجہ رکھتی ہیں اور لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے کتب خانے کے چینی شعبہ میں لائبریرین ہیں۔ انھیوں نے چینی فن تعمیر کے موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے کے علاوہ چین کی تاریخ و تہذیب پر چار تحقیقی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ابھی حال میں اسی موضوع پر ان کی ایک مستقل تصنیف: DID MORCO POLO GO TO CHINA? لندن سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی ہے جس کا لبّ لباب یہ ہے کہ مارکو پولو چین نہیں گیا اور اس کا سفر نامہ اس کے اپنے مشاہدات پر مشتمل نہیں بلکہ ایک معروف مسلمان مورخ رشید الدین فضل اللہ کی تصنیف ''جامع التواریخ'' کے اس حصے سے ماخوذ ہے جو چین کے بارے میں ہے۔ اس تازہ تحقیق کے مطابق دیکھا جائے تو کولمبس کے عزم سفر کا محرک اور یورپ کو آئس کریم اور سویوں سے متعارف کرانے والا شخص مارکو پولو نہیں، کوئی اور تھا اور وہ مشہور مسلمان مورخ رشید الدین فضل اللہ ہو سکتا ہے جس کی عربی تصنیف ''جامع التواریخ'' تاریخ کے ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور مغلوں کی تاریخ پر آج بھی سب سے مستند ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ تقریباً ہر ترقی یافتہ زبان میں اس کے ترجمہ ہو چکے ہیں اور کئی نامور مغربی محققین نے اس کے متن کو عمدگی سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔[۳]

یہ مؤرخ رشد الدین فضل اللہ ہمدانی کے نام سے معروف ہے۔ ۱۲۴۷ء میں ہمدان میں پیدا ہوا اور ۱۳۱۸ء میں وفات پائی۔ نسباً یہودی تھا لیکن تیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور بطور حکیم ایرانی حکمراں ابا قا (عہد حکومت ۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۲ء) کے دربار سے منسلک ہوا لیکن اپنی لیاقت اور تدبر و حکمت کے باعث قازان خان کے عہد حکومت (۱۳۰۴ء تا ۱۳۱۶ء) میں وزیر کے مرتبہ تک پہنچا۔ اس کی تصنیف ''جامع التواریخ'' کئی حصوں پر مشتمل ہے، جس کا ایک حصہ چین کی تاریخ کے عہد قدیم سے عہد تیمور (۱۲۹۴ء تا ۱۳۰۷ء) تک کا احاطہ کرتا ہے اور اپنی فراہم کردہ معلومات کے لحاظ سے اس حد تک مکمل سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت تک کوئی اور اتنی مفصل اور معلوماتی تاریخ موجود نہیں تھی۔ مذکورہ خاتون نے جہاں دیگر شواہد سے مارکو پولو کے سفر نامہ کے چین سے متعلق حصہ کو فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہیں یہ بھی دکھایا ہے کہ اس سفر نامے اور ''جامع التواریخ'' کے متعلقہ

بیانات میں کہاں کہاں یکسانیت اور مشابہت ملتی ہے۔ یہاں تک کہ اسماء واماکن کے املا و ہجے میں بھی کہیں کوئی فرق نہیں بلکہ جہاں جہاں رشید الدین سے مقامات کے تعین اور ان کے املا میں سہو ہوا ہے مارکو پولو نے بھی وہی غلطیاں دہرائی ہیں۔

مزید دل چسپ امر یہ ہے کہ مارکو پولو کی کتاب میں ایک ایسی جنگ کا تذکرہ بھی ہے جو چین کے دو حکمرانوں تو گتا اور نوگائی کے درمیان لڑی گئی جس میں نوگائی کو فتح ہوئی لیکن یہ جنگ مارکو پولو کی چین سے واپسی (۱۲۹۵ء) کے دو تین سال بعد ''جامع التواریخ'' کے مطابق ۹۹۔۱۲۹۸ء میں لڑی گئی تھی لیکن مارکو پولو نے سن کا لحاظ کیے بغیر اسے بھی چشم دید بیان کر دیا۔ اس کتاب میں ایسے متعدد مقامات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مارکو پولو کے مشاہدات چشم دید نہیں ہو سکتے اور جہاں تک اس کی ایسی معلومات کا تعلق ہے ان کا ماخذ یورپی مورخ یا سیاح نہیں ہو سکتے۔ یہ ایرانی یا عرب ہی ہو سکتے تھے جن کا رابطہ چین کے مختلف علاقوں سے آغاز اسلام کے ساتھ ہی استوار ہو گیا تھا۔ مصنّفہ نے ایسے عربی اور فارسی مآخذ کی نشاندہی بھی کی ہے جن میں مارکو پولو کے سفر سے بہت پہلے چین کے شہروں اور عمارتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یقیناً مارکو پولو کے پیش نظر ''جامع التواریخ'' یا ایسے ہی دیگر مآخذ رہے ہوں گے جو مسلمان سیاحوں یا مورخوں کی کوششوں کا نتیجہ تھے جب کہ اس وقت تک کسی اور یورپی سیاح یا مورخ کے چین جانے یا وہاں کی تاریخ لکھنے کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔

ایسے ہی شبہات ابن بطوطہ (۱۳۰۴ء تا ۱۳۷۷ء) کے بارے میں بھی بیان کیے جا رہے ہیں۔ چین کے حوالے سے اس نے بھی جو کچھ لکھا وہ سب ہی باتیں رشید الدین کی تاریخ میں بیان کردہ معلومات سے خاصی مطابقت اور یکسانیت رکھتی ہیں۔ اس کا سفر نامہ رشید الدین اور مارکو پولو کی تصانیف کے بعد کی تصنیف ہے جو ۱۳۵۵ء میں لکھا گیا تھا۔ محققین کے لیے ان میں موجود معلومات اور بیانات کی مشابہت اور یکسانیت خاصی حیران کن ہے۔ ایک دو محقق مثلاً ڈاکٹر روس ڈن (ROSS DEN) آئی آر نیٹن (I.R.NETTON) اور سی۔ ایف۔ بکنگہم (C.F.BECKENGHAM) نے حال میں ابن بطوطہ کے تعلق سے ایسے ہی شبہات پر تحقیقی مطالعے کیے ہیں۔ ان محققین کی تحقیقات کے مطابق ابن بطوطہ بہت ممکن ہے کہ چین تو ایک طرف شاید قسطنطنیہ بھی نہیں گیا۔ مثلاً ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ ایک بازنطینی شہزادی کا شریک سفر رہا جو ازبک خان کی بیویوں میں سے ایک تھی اور اپنے بچہ کی پیدائش کے لیے اپنے باپ شاہ اندرونیکو دوم (ANDRONICO II) کے پاس قسطنطنیہ واپس جا رہی تھی۔ اسی ضمن میں ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ پوپ ہر سال روم سے قسطنطنیہ آیا کرتا تھا اور جب وہ قسطنطنیہ سے چار یوم کی مسافت پر قیام کرتا تو یہ بادشاہ اس کے استقبال اور اس کی پذیرائی کے لیے ہر صبح و شام قسطنطنیہ سے پوپ کی حاضری میں جایا کرتا تھا۔ اس واقعہ پر ڈاکٹر روس اور بکنگم دونوں نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ چار دن کی مسافت پر قسطنطنیہ سے کسی کا ہر صبح و شام پہنچتے رہنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اسی مقام پر ابن بطوطہ نے معزول شاہ اندرونیکو دوم سے ملاقات کا ذکر بھی کیا ہے جب کہ مذکورہ محققین کے مطابق مذکورہ بادشاہ اس وقت زندہ نہیں تھا۔

اسی طرح ابن بطوطہ کے سفر چین کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ وہ اگر چین گیا بھی تھا تو شاید چین کے جنوبی ساحلوں سے آگے نہیں جا سکا۔ اس شبہ کو تقویت یوں پہنچتی ہے کہ اس نے اپنے چین جانے کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ شاہ دہلی محمد بن تغلق نے اسے سفارت پر دہلی سے چین روانہ کیا تھا جو چین کے حکمراں کی جانب سے دہلی بھیجی جانے والی سفارت کے جواب میں تھی لیکن بکنگم کی تحقیق کے مطابق کوئی ایسی شہادت یا سند موجود نہیں، جو ثابت کر سکے کہ اس وقت چین سے کوئی سفارت ہندوستان بھیجی گئی ہو اور جس کے جواب میں شاہ دہلی کو ایسی سفارت بھیجنی پڑی۔ اپنے اس سفر میں ابن بطوطہ نے شاہ چین تو غان تیمور کے فوت ہونے پر اس کی جو آخری رسومات بیان کی ہیں وہ عام مسلمانوں اور مغلوں کی رسومات سے مطابقت رکھنے کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تو غان کا انتقال (۱۳۷۰ء) ابن بطوطہ کے انتقال (۹۔۱۳۶۸ء) کے بعد کا واقعہ ہے۔ یعنی ابن بطوطہ نے جس بادشاہ کی تدفین میں شرکت کی وہ خود اس کے انتقال کے دو برس بعد فوت ہوا تھا۔

ابن بطوطہ کے سفر اور اس کے بیانات کے تعلق سے ایسے شبہات کا بکنگھم نے اپنی چھان بین کے ساتھ اپنے ایک مقالے THE RIHLA: FACTS OR FICTION? میں احاطہ کیا ہے جو مذکورہ بالا محقق آئی۔ آر۔ نٹن کی مرتبہ کتاب: GOLDEN ROADS; MIGRATION, PILGRIMAGE AND TRAVEL IN MEDIVAL AND MODERN ISLAM میں شامل ہے۔ (۴) یہ کتاب لندن سے ۱۹۹۳ء میں چھپی تھی۔ (۵)

عالمی اہمیت کے ان دونوں عظیم سیاحوں اور ان کے سفر و سفر ناموں کے بارے میں جہاں یہ تازہ تحقیقات محققین کے عمیق مطالعہ اور ان کی باریک بینی اور تلاش کا واضح ثبوت ہیں وہیں دوسری جانب یہ اس حقیقت کا اظہار بھی ہیں کہ تاریخ میں شاید کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جھوٹ کبھی پنپ نہیں سکتا۔ مورخ یا محقق کا سفاک قلم بالآخر سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کے طور پر سامنے لے ہی آتا ہے۔

عہد قدیم کے چین کی پراسراریت اور اس کے ماحول کے حیران کن مناظر اور چینیوں کی جادوگری کی ناقابل یقین داستانیں اب تک ان سفر نامہ نگاروں کی طرح لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچتی رہی ہیں۔ تاریخ میں بہت کم قومیں ایسی گزری ہیں جو ہر دور میں کسی نہ کسی حوالے سے سرفہرست رہی ہیں اور عام توجہ اور دلچسپی کا باعث بنی ہیں۔ چینی قوم بھی ایسی ہی ہے۔ عہد قدیم میں اپنی تعمیرات کے منفرد حسن اور اپنی ثقافت کی نزاکت و دل فریبی کے باعث چین کی تہذیب کا ایک بالکل الگ اور منفرد انداز رہا ہے۔ وہ قوم جس نے ماضی میں دنیا کو آئس کریم اور سویوں (NOODLES & SPEGETHI) کا تحفہ دیا تھا اور نصف صدی قبل تک ایک ''افیونی قوم'' کی شہرت رکھتی تھی' آج اپنی گوناگوں صنعتی ترقی کے اعتبار سے ساری دنیا میں سرفہرست ہے۔ بلکہ مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے بازاروں میں شاید کل مصنوعات کا نصف چین سے درآمد شدہ ہوتا ہے۔ روئے زمین پر انسانی ہنر' کاری گری اور صناعی کے جو شاہکار اپنی مثال آپ ہیں' ان میں ''دیوار چین'' کی عظمت اور شوکت بھی اپنی جگہ بے مثال ہے اور اگر چین اتنے دور دراز فاصلے پر نہ ہوتا تو شاید تاج محل کے بعد سب سے زیادہ سیاح ''دیوار چین'' ہی کا رخ کرتے۔

اس کے باوجود کہ چین کا یہ جلال و جمال سیاحوں کے لیے عہد قدیم ہی سے اس حد تک پرکشش رہا ہے کہ اپنی معرکہ آرائی کی شہرت کی خاطر بہت سے ''سیاحوں'' نے چین کے مکمل یا جزوی فرضی سفر نامے لکھ کر لازوال نام کمایا' مارکو پولو اور ابن بطوطہ جیسے نامور سیاح بھی اپنی عظمت اور معرکہ آرائی کی دھاک بٹھانے کے لیے چین کے بارے میں مکمل یا کم از کم جزوی طور پر جھوٹ یا فرضی باتیں لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ حالیہ چند برسوں میں جس طرح جدید تحقیقات نے جھوٹ اور سچ کو الگ کر کے دکھا دیا ہے۔ اسی طرح حال ہی چین کے قدیم ترین سفر نامے کے نام سے جھوٹ پر مشتمل ایک اور پلندہ بڑے طمطراق سے مغرب کی ترقی یافتہ علمی دنیا میں منظر عام پر آیا ہے مگر اس چین کے قدیم ترین سفر نامے کی اشاعت کے پس پشت ایک مذہبی احساس تفاخر یا عصبیت بھی کارفرما نظر آتی ہے۔

عہد قدیم میں چین کے سیاحوں میں شہرت اور نام وری مارکو پولو اور ابن بطوطہ کو حاصل ہوئی ہے' جو علی الترتیب عیسائی اور مسلمان تھے۔ لیکن پھر حالیہ برسوں میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ مارکو پولو اور ابن بطوطہ شاید چین گئے ہی نہیں' چین سے متعلق ان کے سفر نامے فرضی یا ماخوذ ہیں تو مغرب کی علمی دنیا میں اس انکشاف کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ پھر اس موضوع پر جب ان سفر ناموں کے ماخذ و بنیاد کے طور پر عظیم مسلمان مورخ رشید الدین کا نام آیا تو شاید اس نسبت و تعلق کو یہودی برداشت نہ کر سکے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک سابق یہودی پروفیسر ڈیوڈ سیلبورن (DAVID SELBORN) نے' جس کی شہرت ایک سخت گیر مذہب پرست اور دائیں بازو کے ایک کٹر بنیاد پرست کی ہے' چین کے ایک ایسے سفر نامے کی ''دریافت'' کا ''انکشاف'' کیا جسے ایک یہودی تاجر جیکب نے اپنے ''سفر'' چین سے ۱۲۷۳ء میں اپنی واپسی کے بعد ۱۲۸۰ء کے لگ بھگ

یعنی مارکو پولو سے بھی چار برس قبل تحریر کیا تھا۔

جیکب کا تعلق اٹلی کے ایک جنوبی شہر انکونا سے تھا اور وہ اپنے ایک تجارتی سفر کے مقصد سے چین روانہ ہوا تھا' جہاں پہلے ہی سے کئی یورپی افراد کے جانے اور قیام کرنے کے بارے میں اطلاعات ملتی ہیں۔ لیکن یہ امر معنی خیز ہے کہ جیکب چین کی جس جنوب مشرقی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا تھا' اس وقت اس کا نام ''زیتون'' تھا۔ جو بعد میں ''چوان چو'' ہو گیا اور اب یہ اسی نام سے موسوم ہے۔ بندرگاہ کے اس عربی نام کا معروف ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان اس علاقہ میں اتنے عرصہ سے مقیم و آباد تھے کہ بندرگاہ کے لیے ان کا دیا ہوا عربی نام زبان زد عام ہو چکا تھا۔ جیکب وہاں چھ ماہ مقیم رہا اور اس مختصر مدت ہی میں وہاں اتنی سرگرم اور فعال زندگی گزاری کہ سیاست تک میں دخیل ہو گیا' جو چینیوں کو گوارا نہ ہوا۔ ان کی مخالفت کے نتیجے میں اسے وہاں سے واپس ہو جانے ہی میں عافیت نظر آئی۔

اس نے اپنے سفرنامے میں' جو اگرچہ مارکو پولو کے سفرنامے کی طرح مفصل اور مبسوط نہیں' چین کے معاشرے اور ماحول کا اس غائر نظر سے مشاہدہ کیا ہے کہ اس کے بیانات میں اس وقت کی وہاں کی زندگی کی تمام جزئیات سمٹ آئی ہیں اور تاریخی اعتبار سے یہ اس قدر اہم ہیں کہ چین کی تاریخ کے ماہرین کا خیال ہے کہ اگر یہ بیانات چشم دید اور مستند ہیں تو ان سے قرون وسطیٰ کے مشرق بعید کی زندگی کے بارے میں بے حد اہم اور قیمتی معلومات یک جا ہوتی ہیں۔

جیکب کے اس سفرنامے ''روشنی کا شہر'' (THE CITY OF LIGHT) کے شائع ہونے سے قبل ہی اس کی شہرت علمی دنیا میں اس وقت پھیل چکی تھی' جب اس کے مرتب ڈیوڈ سیلبورن نے اس نو دریافت سفرنامے کا انکشاف کرتے ہوئے اسے اپنے حواشی اور تعلیقات ساتھ مرتب کر کے شائع کرانے کا محض عندیہ ہی دیا تھا۔ مرتب نے اس سفرنامے کے مخطوطے کے بارے میں کوئی ایسی اطلاع نہیں دی کہ یہ کہاں ہے اور کس کی ملکیت میں ہے؟ بس انھوں نے اتنا کہا کہ چوں کہ اس میں عیسائیت کے خلاف شدید مخالفانہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے' اس لیے اس مخطوطے کے مالک نے اپنا نام اور پتہ اور دیگر تفصیلات بتانے سے انکار کر دیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب اس مخطوطے کی اصل کے بارے میں مبصرین اور محققین کو یہ شبہ ہوا کہ آیا یہ اصلی بھی ہے یا جعلی؟ اور یہ کہ آیا یہ وجود بھی رکھتا ہے؟ تو مرتب نے اصل نسخہ دکھانے سے بھی انکار کر دیا کہ جس شخص کی یہ ملکیت ہے وہ اصل مخطوطہ دکھانے کے حق میں بھی نہیں۔ چناں چہ جہاں اس مخطوطے کے وجود رکھنے یا نہ رکھنے اور اس کے اصل یا جعلی ہونے کے بارے میں سوالات پیدا ہو گئے ہیں' وہیں اس کے شائع ہونے کے بعد اس کی داخلی شہادتوں کے ذریعہ بھی اس کے اصل ہونے یا نہ ہونے کا جائزہ لیا جانے لگا اور واقعہ یہ ہے کہ تاریخ میں کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور تحقیق' سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کر دکھاتی ہے' اس سفرنامے میں ماہرین کو ایک دو نکات ایسے مل گئے ہیں' جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سفرنامہ اصلی نہیں' یا کم از کم اسے مارکو پولو کے سفرنامے سے پہلے کا سفرنامہ نہیں کہا جا سکتا۔

سفرنامہ کو پیش کرنے والے سے انجانے میں غلطی یہ ہو گئی کہ جب جیکب نے اٹلی سے نکل کر خلیج ایران میں بصرہ سے ہوتے ہوئے ہندوستان اور مشرق بعید کی طرف سفر شروع کیا تو خلیج میں داخل ہوتے ہوئے وہ کورموسا پہنچا' جہاں اب بندر عباس واقع ہے۔ اس مقام پر اس نے بیان کیا ہے کہ یہاں ایک محلّہ ''ملیح'' ہے جس میں ۱۵۰ یہودی آباد ہیں۔ یہاں مخطوطے میں اسی عربی لفظ ''ملیح'' کا استعمال ہوا ہے' جس کے معنی عربی میں ''یہودی محلّہ'' کے ہیں۔ محققین کے مطابق جن میں عربی زبان کے ماہر بھی شامل ہیں' اسی ایک لفظ کا استعمال یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ سفرنامہ ۱۲۸۰ء کا آس پاس کے عرصہ میں نہیں لکھا گیا۔ کیوں کہ اس لفظ کا استعمال ہی ۱۴۳۸ء کے بعد یعنی سفرنامے کی تخلیق کے کوئی ڈیڑھ سو برس کے بعد شروع ہوا ہے۔ اس لحاظ سے جیکب کا چین سے ۱۲۷۳ء میں واپس آنا اور ۱۲۸۰ء میں سفرنامہ لکھنا ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ مخطوطے کے وجود رکھنے یا نہ رکھنے سے قطع نظر محققین کی اس تحقیق سے مارکو پولو اور ابن بطوطہ کے سفرنامے کے ذریعہ جیکب کو اول الذکر

دونوں سیاحوں کے مقابل کھڑا کرنے اور اسے اولیت کا تاج پہنانے کی یہ ایک بالارادہ کوشش محسوس ہوتی ہے۔لیکن وائے ناکامی کہ چند ہی ماہ کے عرصے میں اس غبارے کی ہوا نکل گئی۔

مبینہ طور پر یہ مخطوطہ ۱۹۹۰ء میں اٹلی کے شہر اربینو میں دریافت ہوا تھا یا مرتب کے ہاتھوں میں پہنچا تھا۔مرتب نے اس پر دن رات کام کیا اور انتہائی معلوماتی حواشی اور تعلیقات تحریر کیے،لیکن وائے افسوس کہ یہ ساری محنت، یہ ساری تگ ودو رائیگاں گئی کہ ''تحقیق'' نے سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ الگ کر دکھا دیا۔

حوالہ جات/حواشی

۱۔ مشمولہ: ''مضامینِ فرحت''، جلد پنجم، مطبوعہ حیدرآباد، سن ندارد، ص ۱۲۳۔۱۷۶

۲۔ ایک حالیہ اشاعت، اصل متن: Il Libro di Marco Polo detto Millione.، تیورن، ۱۹۵۴ء

۲۔ ان کا ایک منتخب اندراج، سی۔اے۔اسٹوری Persian Literature, a Bio-Bibliography، حصۂ دوم، لندن، ۱۹۵۸ء، ص ۱۲۳۰۔۱۲۳۲ میں ہے۔ونیز ''فہرستوارۂ کتابہای فارسی''، مجلد اول، تہران، ۱۳۷۳ش، ص ۶۰۵۔۶۰۷

۴۔ یہ کتاب لندن، کرزن پریس سے ۱۹۹۳ء میں چھپی تھی۔

۵۔ اس نوع کا ایک مزید مطالعہ اور ایسی کچھ شہادتیں عبدالرحمان المودین کے عالمانہ مقالے: The Ambivalance of Rihla:Community Integration and Self-Difinition in Moroccan Travel Accounts, 1300-1800 میں دیکھی جا سکتی ہیں، ص ۷۰۔۸۴، مشمولہ: Muslim Travellers: Pilgrimage, Migration, and the Religious Imagination.، روتلج، لندن، ۱۹۹۰ء